درس قرآن

سورۃ البقرۃ آیت: ۲۵

محمد اسماعیل امین

﴿ وبشر الذين آمنوا وعملوا الصٰلحٰت أن لهم جنٰت تجرى من تحتها الأنهار كلما رزقوا منها من ثمرة رزقا قالوا هٰذا الذى رزقنا من قبل وأتوا به متشابها ولهم فيها أزواج مطهرة وهم فيها خٰلدون ۞﴾

ترجمہ: ''آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنایئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، جب ان جنتیوں کو کوئی پھل روزی کے طور پر پیش کیا جائے تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو پہلے ہم کو مل چکا تھا، اور ان کو اس میوہ کے عوض اس سے ملتا جلتا میوہ لایا جائے گا اور ان کے لئے وہاں صاف ستھری پاکیزہ بیویاں ہیں اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

سابقہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور قرآن کے منکرین کو جہنم کی وعید کے ذریعے ڈرایا، تو اس آیت میں اہل ایمان اور نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

﴿وبشر الذين آمنوا﴾ کو (واو) حرف عطف کے ذریعے ﴿فاتقوا النار التى وقودها الناس﴾ کے جملہ پر عطف کیا گیا ہے، یا سابقہ آیت مبارکہ ﴿وان كنتم فى ريب مما نزلنا﴾ کے مضمون پر عطف ہے۔ کیونکہ چیلنج کے بعد جب وہ لوگ قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں نہ آسکے تو اس کا اعجاز نمایاں ہو گیا۔ اب اس کے بعد جو کفر کرے گا مستوجب عذاب ٹھہرے گا، اور جو ایمان لائے گا وہ مستحق ثواب ہوگا۔ (البیضاوی)

﴿بشر﴾: کا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور اس خطاب میں ہر دور کے وہ سب عالم اور داعی بھی شامل ہیں جو دعوت و تبلیغ میں رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام ہوں۔ (البیضاوی، السعدی)

﴿بشر﴾: امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مصدر (بشارۃ اور تبشیر) ہے۔ اس کا معنی خوش خبری سنانا ہے۔ بشارت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب انسان خوشی کی بات سنتا ہے تو چہرے کی جلد پر رونق آجاتی ہے۔ اسی لئے فقہاء کا قول ہے

کہ اگر کوئی شخص یوں کہے {من أخبرنی بقدوم ولدی فھو حر }''میرے غلاموں میں سے جو بھی میرے بیٹے کے آنے کی خبر دے تو وہ آزاد ہے''۔تو اس صورت میں جتنے غلام خبر دیں گے، مالکی علماء کے نزدیک سب آزاد ہوں گے۔لیکن اگر کوئی یوں کہے{من بشرنی بقدوم ولدی فھو حر }''میرے غلاموں میں سے جو کوئی میرے بیٹے کے آنے کی خوشخبری دے وہ آزاد ہے۔''تو علماء کا اجماع ہے کہ اس صورت میں صرف پہلا بشارت دینے والا آزاد ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ بشارت پہلی خبر کو کہا جاتا ہے۔(البیضاوی،القرطبی)

امام بغوی فرماتا ہے کہ ہر اس سچی خبر کو بشارت کہا جاتا ہے جس سے چہرے کا رنگ بدل جائے اور یہ خیر اور شر دونوں میں مستعمل ہے۔لیکن خیر میں اس کا استعمال زیادہ ہے۔(البغوی) جب خوشی کی چیزوں میں لفظ بشارت استعمال ہوتا ہے تو مقید اور غیر مقید دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے،لیکن جب کسی ناپسندیدہ چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے تو صرف شر کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿**فبشرھم بعذاب أليم**﴾ (مدارج السالکین ۱۵۲/۳)

امام بیضاوی کی رائے ہے کہ بشارت کا اطلاق صرف خوشخبری پر ہوتا ہے،لیکن جہاں عذاب کے لئے استعمال ہوا ہے وہ بطور مذاق اور طنز کے استعمال ہوا ہے۔(البیضاوی)

﴿**جنات**﴾ : جنت کی جمع ہے اور یہ (جنّ) فعل ماضی کا مصدر ہے اور اس مادہ میں پردہ میں رہنے اور مخفی رہنے کا معنی پایا جاتا ہے۔(جن) اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ انسانوں کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔اور ماں کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی (جنین) اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔یہاں بھی باغ کے لیے لفظ (جنة) کا استعمال اس لئے ہوا ہے کہ اس میں اتنے سایہ دار درخت ہیں جن کی وجہ سے باغ کی ہر چیز دوسروں سے مخفی رہتی ہے۔(القرطبی،البیضاوی)

شرعی اصطلاح میں (جنت) اس دارِ ثواب کو کہا جاتا ہے، جسے اللہ تعالی نے اپنے فرمان برداروں اور موحدین کے لئے تیار کر رکھا ہے، جو بہت سارے باغات اور بلند و بالا درجات پر مشتمل ہے۔(البیضاوی،الشوکانی)

﴿**تجری من تحتھا الأنھار**﴾ میں (الأنھار) کا الف ولام جنس اور عہد دونوں کے لئے ہونے کا احتمال ہے۔(البیضاوی) اور﴿**انھار**﴾نہر کی جمع ہے، جو کہ دریا اور نالے کو کہا جاتا ہے۔جنت کی نہروں کے بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿**فیھا انھار من مآء غیر اٰسن وانھار من لبن لم یتغیر طعمه وانھار من خمر لذة للشٰربین وانھٰر من عسل مصفی**﴾(محمد/۱۵) اس آیت مبارکہ میں جنت کی چار نہروں کا ذکر ہے۔فرمایا''جنت میں پانی، دودھ، شرابِ طہور اور شہد کی نہریں ہوں گی۔''(اضواء البیان)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: جنت کی نہریں مشک (کستوری) کی پہاڑوں سے پھوٹتی ہیں۔(تفسیر ابن کثیر،التفسیر الصحیح) نہر کے جاری ہونے کا معنی پانی کا جاری ہونا ہے۔یعنی اصل میں (**تجری من تحتها ماء الأنهار**) ہے۔(القرطبی)

جنت کے نیچے نہروں کے بہنے سے مراد اس کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے سے نہروں کا بہنا ہے۔حضرت مسروق رحمہ اللہ نے فرمایا: دنیا کی نہروں کی طرح جنت کی نہریں زمین دوز نہیں ہوں گی۔(ابن جریر، ابن کثیر)

﴿**كلما رزقوا منها من ثمرة رزقا قالوا هذا الذي رزقنا من قبل**﴾ ''جنتیوں کے سامنے جب بھی کوئی پھل لایا جائے گا تو اسے دیکھ کر کہیں گے کہ ہمیں یہ پھل اس سے پہلے بھی مل چکا تھا''۔ اس کی دو تفسیریں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ یعنی یہ پھل ہمیں دنیا میں ملا تھا۔کیونکہ جنت کا پھل رنگ اور شکل کے لحاظ سے دنیا کے پھلوں سے مشابہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ کہیں گے،مگر ذائقہ اور لذت وفرحت کے لحاظ سے دنیا کے پھلوں سے ان کو کوئی نسبت نہ ہوگی،صرف نام کا اشتراک ہوگا۔جیسا کہ حضرت ابن عباس اور بعض صحابہ ﷺ سے یہ توجیہ مروی ہے اور امام ابن جریر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ پھل ہم اس سے پہلے بھی جنت میں کھا چکے تھے۔یہ اس لئے کہیں گے کہ جنت کے میووں کی ظاہری شکل وصورت مشابہ ہوگی۔

یحی بن ابی کثیر فرماتے ہیں کہ جنتیوں میں سے کسی کے پاس جب کوئی پیالہ آئے گا تو وہ کھائیں گے،پھر دوسرا پیالہ آئے گا تو اس وقت وہ کہیں گے یہ تو ابھی کھایا تھا۔تو فرشتے کہیں گے کہ آپ اسے کھالیں،اگرچہ یہ دونوں شکل وصورت میں ایک جیسے ہیں لیکن مزہ اور ذائقہ دونوں کا مختلف ہے۔(ابن جریر،ابن کثیر،القرطبی)

﴿**وأتوا به متشابها**﴾ یعنی ان کے پاس اس پھل کے عوض اس سے ملتا جلتا میوہ لایا جائے گا۔اس مشابہت سے بعض علماء نے صرف نام میں مشابہت اور بعض نے رنگ اور شکل میں ملتا جلتا ہونا مراد لیا ہے۔اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس تشابہ سے مراد یہ ہے کہ خوبصورتی،لذت اور مزیدار ہونے میں جنت کے میوہ جات ایک دوسرے کے مماثل ہوں گے۔شیخ عبدالرحمٰن السعدی نے آخری قول کی تائید کی ہے۔(السعدی،ابن کثیر)

پھر جنتیوں کی بیویوں کے وصف میں اللہ نے فرمایا ﴿**أزواج مطهرة**﴾ اس جنت میں ''صاف ستھری پاکیزہ بیویاں ہیں''۔ (**أزواج**) جمع ہے اس کا مفرد فصیح لغت میں (زوج) ہے اور (**زوجة**) بھی مستعمل ہے۔(أضواء البیان)

﴿**مطهرة**﴾ طاهرة کے معنی میں ہے، لیکن اس سے زیادہ بلیغ لفظ ہے۔ اور یہاں اللہ تعالی نے (مطهرة عن العيب الفلانی) نہیں فرمایا۔ بلکہ کسی عیب سے مقید کیے بغیر مطلق طور پر فرمایا: (**مطهرة**) اس لئے اس میں عموم کا معنی پایا جاتا ہے۔ یعنی وہ بیویاں ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوں گی، خواہ جسمانی عیوب ہوں یا اخلاقی۔ اس بارے میں سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی عورتوں میں عام طور پر جو عیوب اور نقائص پائی جاتی ہیں۔ ان سب سے جنت کی عورتیں بالکل ہی پاک اور صاف ہوں گی، مثلاً حیض، نفاس، منی، مذی، پاخانہ، پیشاب، تھوک، رینٹ اور طبیعی غلاظتیں مثلاً بدمزاجی، بداخلاقی غرضیکہ ہر قسم کی گندگیوں سے وہ پاک صاف ہوں گی۔ (ابن جریر، السعدی، ابن کثیر)

﴿**وهم فيها خالدون**﴾ (خلود) ابدی بقاء کے معنی میں آتا ہے۔ لغت میں مجازاً طویل مدت کیلئے بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا معنی ابدی بقاء ہے۔ یعنی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (القرطبی)

زیر تفسیر آیت مبارکہ سے مستنبط چند فوائد:

فائدہ نمبر-1 قرآن مجید میں ترغیب اور ترہیب کا اسلوب:

یہ فائدہ سابقہ آیت اور زیر تفسیر آیت مبارکہ کے درمیان مناسبت پر غور کرنے سے سامنے آتا ہے کہ جب اللہ تعالی نے کافروں اور منکرین قرآن کے برے انجام کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد مذکورہ آیت مبارکہ میں مؤمنوں کے لئے جنت کی خوشخبری سنائی۔ اسی طرز کو ترغیب وترہیب کہا جاتا ہے۔ یعنی جہاں اللہ تعالی مؤمنین کے اوصاف حسنہ کے ساتھ ان کے لئے ثواب دارین اور تیار شدہ انعام واکرام کا ذکر فرماتا ہے، اسی کے ساتھ ہی اللہ تعالی کافروں اور منافقوں کے اوصاف سیئہ ذکر کرکے ان کے لئے تیار شدہ عذاب أليم کا بھی تذکرہ فرماتا ہے۔

قرآن مجید کی بغور تلاوت کرنے والا قرآن میں جابجا یہ اسلوب پاتا ہے۔ جہاں ترغیب کی آیت ہے، وہاں ترہیب کی آیت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کو (مثانی) کہا گیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے مثانی کی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت یاد دلاتا ہے، وہاں اپنے عذاب اور عقاب سے بھی ڈراتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿**نبئ عبادی أنی أنا الغفور الرحيم ۞ وأن عذابی هو العذاب الأليم ۞**﴾ (الحجر: ٤٩-٥٠) ''میرے بندوں کو میرے غفور رحیم ہونے کی خبر کے ساتھ میرے عذاب کے بڑے

دردناک ہونے کی خبر بھی پہنچادیں''۔

اس اسلوب کا اہم فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اسباب نجات کے حصول اور اسباب ہلاکت سے نفرت کا عزم پیدا ہو اور اللہ کی رحمتوں کی امید اور عذابوں سے خوف پیدا ہو۔ جب تک انسان کے دل میں اللہ کی رحمت کی امید اور اللہ کے عذاب سے خوف دونوں اکٹھے نہیں ہوتے، اس وقت تک وہ صراط مستقیم پر گامزن نہیں رہتا۔ کیونکہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی بھی کفر اور ضلالت ہے۔ ﴿ إنه لاييأس من روح الله إلا القوم الكافرون ۞ ﴾(یوسف:۸۷) اسی طرح اللہ کے عذاب سے بے خوف رہنا بھی ضلالت اور گمراہی ہے: ﴿ فلا يأمن مكر الله الا القوم الخاسرون ۞ ﴾ (الأعراف/۹۹) انہی دلائل کی روشنی میں امام طحاوی رحمہ اللہ اس مسئلے میں اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (والأمن واليأس ينقلان عن ملة الإسلام وسبيل الحق لأهل القبلة بينهما) (شرح العقيدة الطحاوية/ ۳۳۰) ''یعنی اللہ کے عذاب سے بے خوفی اور رحمت الٰہی سے مایوسی دونوں انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتے ہیں۔ اہل قبلہ کی راہ حق ان دونوں کے درمیان میں ہے۔''

ابوعلی الروزباری رحمہ اللہ نے امید اور خوف کی مثال دیتے ہوئے انہیں پرندوں کے دو پروں کی طرح قرار دیا ہے۔ کسی پرندے کا اگر ایک پَر نہ ہو یا اس میں کوئی نقص ہو تو وہ پرندہ اڑنے سے عاجز رہتا ہے۔ اسی طرح کسی کے دل میں امید اور خوف دونوں موجود نہ ہوں تو اس کا راہ حق پر برقرار رہنا ناممکن ہوتا ہے۔(المصدر السابق)

تنبیہ: ان شرعی حقائق اور واضح دلائل کے باوجود مصنوعی نظریات کے بعض پیروکار جنت کی امید رکھنے والوں کو ''لالچی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ نظریہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں سراسر غلط ہے۔ کیونکہ عبادت کی قبولیت کے لئے اللہ کی رضا کا حصول اگرچہ شرط اول ہے، لیکن ساتھ ہی اللہ کے مخلص بندے عبادت کرتے وقت اللہ کی رحمتوں اور جنت کی امید بھی رکھتے ہیں اور اللہ کے عذاب وعقاب سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اللہ عزوجل کی منشا بھی یہی ہے۔ جبھی تو قرآن وحدیث میں جابجا جنت کا شوق دلانے اور جہنم سے متنفر کرنے والے نصوص بکثرت آئے ہیں۔ اگر یہ لالچ ہے تو اللہ پاک خود اسی لالچ کی تاکید فرماتا ہے: ﴿ وفي ذلك فليتنافس المتنافسون ۞ ﴾(المطففين/۲۶)

اللہ تعالی نے اسی قسم کے لوگوں کی تعریف میں فرمایا ہے: ﴿ تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً وطمعاً ﴾ (الم السجدة/۱۶) ''ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں''۔

فائدہ نمبر-2 مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے جنت کے حصول کے لئے دو چیزوں کو ضروری قرار دیا:

(۱) ایمان (۲) عمل صالح۔ لہٰذا سب سے پہلے ایمان کا مفہوم کتاب وسنت کی روشنی میں بالاختصار پیش خدمت ہے:

(ایمان) عربی لغت میں تصدیق کرنے کو کہا جاتا ہے۔(ابن جریر،ابن کثیر،القرطبی زیر تفسیر آیت ﴿الذین یؤمنون بالغیب﴾) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور الشیخ ابن عثیمینؒ وغیرہ کی رائے کے مطابق لغت میں تصدیق کے ساتھ اقرار کا معنی بھی شامل ہے۔(مجموع الفتاوی:۷/۱۱۷،شرح العقیدۃ الواسطیۃ لابن عثیمین ۱/۵٤)

شرعی اصطلاح میں ''ایمان'' کی تعریف:

قرآن وحدیث کی نصوص کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں ایمانؔ کے دو معانی ہیں:

پہلا معنی: قرآن اور حدیث کے کسی نص میں لفظ ''ایمان'' اگر مطلق طور پر ذکر ہو،یعنی اس کے ساتھ (اسلام) یا کوئی ''عمل صالح'' مذکور نہ تو اس کا معنی ہے: ''دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور اسی کے مطابق عمل کرنا۔'' اس تعریف کی روشنی میں ''ایمان'' سے مراد صحیح عقیدہ اختیار کرنے کے بعد اسلام کے تمام شرائع اور احکامات کی مکمل پابندی کرنا ہے۔

ایمان کے اسی معنی کو سلف صالحین نے مختلف عبارتوں سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً:

۱۔ الإيمان هو قول وعمل۔

۲۔ الإيمان هو قول وعمل ونية۔

۳۔ الإيمان هو قول وعمل ونية واتباع السنة۔

۴۔ هو قول باللسان واعتقاد بالقلب وعمل بالجوارح۔

ان تمام عبارتوں کا مفہوم ایک ہے،اسی مفہوم کو ''اطلاق عام'' کہا جاتا ہے۔یعنی ایمان میں عقائدی امور کے ساتھ ظاہری اعمال بھی شامل ہیں۔اسی لئے ایمان بڑھتا اور گھٹتا بھی ہے۔(مجموع الفتاوی ۷/۱٦۰)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایمان کے اسی مفہوم پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے حوالے سے اجماع امت نقل کیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر عند قوله تعالی ﴿الذين يؤمنون بالغيب﴾

دوسرا معنی: جب لفظ ''ایمان'' کے ساتھ نصِ شرعی میں لفظ ''اسلام'' یا کوئی ''عمل صالح'' مذکور ہو۔تو ''ایمان'' سے مراد عقائدی امور اور ''اسلام'' یا عمل صالح سے ظاہری احکامات پر عمل مقصود ہوتا ہے۔اسی معنی کو ''اطلاق خاص'' کہا جاتا ہے

''ایمان'' کے اسی مفہوم (اطلاق خاص) کو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے حدیث جبریل میں بیان فرمایا: {أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشره}(صحيح مسلم كتاب الايمان ،باب الإيمان والإسلام والإحسان) ایمان کے اس خاص مفہوم میں ایمان کے یہ چھ ارکان شامل ہیں، کیونکہ ان ارکان کا تعلق عقائدی امور سے ہے۔یعنی اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کے کتابوں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر یقین رکھنا۔

زیر تفسیر آیت میں چونکہ (ایمان) کے ساتھ (عمل صالح) کا بھی ذکر ہے، اس لئے یہاں ایمان کا دوسرا مفہوم یعنی ''اطلاق خاص'' مقصود ہے۔لہذا آیت: ﴿وبشر الذين آمنوا وعملوا الصالحات﴾ کی تفسیر اس طرح ہوگی: ''آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنائیں جنہوں نے پہلے اپنے عقائد کو کتاب وسنت کی روشنی میں درست کیا، پھر نیک اعمال بھی انجام دیتے رہے''۔

فائدہ نمبر-3 ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' کا باہمی ربط:

یہاں مؤمنوں کو جنت کی بشارت دینے کے لئے **ایمان** کے ساتھ **عمل صالح** کی بھی قید لگائی گئی۔معلوم ہوا کہ عمل صالح کے بغیر صرف اصطلاحی ایمان انسان کو اس بشارت کا مستحق نہیں بناتا۔اگرچہ صرف ایمان بھی جہنم میں خلود سے بچانے کا سبب ہے اور مؤمن کتنا بھی گناہگار ہو، کسی نہ کسی وقت وہ جہنم سے نکالا جائے گا اور جنت میں پہنچے گا۔بشرطیکہ اس کا عمل صالح ترک کرنا کفر اور خروج من الملۃ کی حد تک نہ پہنچا ہو۔مگر عذاب جہنم سے بالکل نجات کے لئے بغیر عمل صالح کے کوئی مستحق نہیں ہوگا۔ (روح المعانی ،معارف القرآن)

گویا اللہ تعالی نے اسلام کو ایک عمارت قرار دیا، ایمان کو اس عمارت کی بنیاد اور عمل صالح کو عمارت کا نمایاں حصہ ٹھہرایا، جس سے انسان استفادہ کرتا ہے۔اس لئے اگر کوئی شخص نیک اعمال کرتا رہے، لیکن اس کا عقیدہ صحیح نہ ہو تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دلدلی یا ریتیلی زمین پر بلند وبالا بلڈنگ تعمیر کرے، لیکن اس کی بنیاد کو مضبوط نہ کرے۔یہ شخص اس عمارت پر جس قدر مال خرچ کرے گا اتنا ہی اس کے لئے نقصان دہ ہوگا۔کیونکہ اس کی بنیاد کچی ہونے کی وجہ سے کسی وقت بھی وہ عمارت منہدم ہو کر مالک مکان اور اس کے اہل وعیال کو کچل سکتی ہے۔

یہی اس عمل صالح کی مثال ہے جس کی بنیاد صحیح عقیدے پر نہ ہو، تو وہ عند اللہ مقبول نہیں۔اسی طرح اگر کسی کا عقیدہ

صحیح ہو لیکن اس کو عمل صالح کی توفیق نہ ہو تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو مضبوطی کے ساتھ بنیاد بنانے کے بعد اس پر عمارت کھڑی نہیں کرتا۔ اس شخص کو بھی معاشرے میں بیوقوف سمجھا جاتا ہے اور وہ اس بنیاد سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

"عمل صالح" نیک کام کو کہا جاتا ہے۔ لیکن شریعت اسلامیہ کی نظر میں کسی عمل پر "عمل صالح" کا اطلاق ہونے کے لئے دو انتہائی ضروری شروط ہیں:

۱۔ **عمل میں اخلاص ہونا:** جیسے اللہ کا ارشاد ہے ﴿**فاعبد الله مخلصا له الدين ۞ ألا لله الدين الخالص**﴾ (الزمر: ۲-۳) "اللہ کی عبادت اس کے لئے دین کو خالص کر کے کرو، خبردار دین تو خالص اللہ ہی کے لئے ہے"۔

۲۔ **اتباع سنت:** یعنی عمل کا نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہونا بھی اس کی قبولیت کے لئے اہم ترین شرط ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿**يٰأيها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا أعمالكم ۞**﴾ (محمد: ۳۳) "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ ہونے دو"۔ اور ارشاد نبوی ہے: {**من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد**} (صحيح مسلم كتاب الأقضية باب نقض الأحكام الباطلة)

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے اللہ کے فرمان ﴿**الذى خلق الموت والحيوٰة ليبلوكم ايكم احسن عملا ۞**﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿**أحسن عملا**﴾ هو أخلصه وأصوبه. قالوا يا أبا علي ما أخلصه وأصوبه؟ فقال: إن العمل إذا كان خالصا ولم يكن صوابا لم يقبل وإذا كان صوابا ولم يكن خالصا لم يقبل حتى يكون خالصا صوابا، والخالص أن يكون لله والصواب أن يكون على السنة، ثم قرأ قوله تعالى: ﴿**فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه أحدا ۞**﴾ (الكهف: ۱۱۰) (مدارج السالكين ۲/۸۸) "کسی بھی **عمل** کے مقبول اور صالح ہونے کے لئے دو چیزیں انتہائی ضروری ہیں: خالص ہونا اور صواب (درست) ہونا۔ پھر اپنے کلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: خالص ہونے کا مطلب صرف اللہ کے لئے اس عمل کو بجالانا اور درست ہونے کا مقصد اس عمل کا سنت نبوی کے مطابق ہونا ہے۔ پھر آپ نے بطور دلیل سورہ کہف کی آخری آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صٰلحا ولا يشرك بعبادة ربه احدا ۞﴾

اس آیت کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسفؒ فرماتے ہیں: ''عمل صالح وہ عمل ہے جو سنت کے مطابق ہو، یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے اور کسی دوسرے کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ ٹھہرائے۔ اس لئے کہ **بدعت** اور **شرک** دونوں ہی اعمال کی بربادی کا سبب ہے۔ اللہ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین (تفسیر أحسن البیان)

آیت مذکورہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جنت کا نقشہ خوبصورت انداز میں کھینچتے ہوئے فرمایا: ﴿ **وبشر الذین أمنوا وعملوا الصٰلحات ان لھم جنات تجری من تحتھا الانھٰر** ﴾

جب باغ میں ہر قسم کے پھلوں اور میوہ جات کے ہرے بھرے سایہ دار درخت ہوں اور اس کے نیچے صاف ستھرے پانی کی نہر بہ رہی ہو تو اس قسم کے منظر کی خوبصورتی اور دلکشی پر تمام بشر متفق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ابدی نعمتوں کو اسی مانوس انداز میں بیان فرمایا، تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں اس کے حصول کا شوق اور جذبہ اجاگر ہو۔ (ابن عاشور)

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿ **ولھم فیھا ازواج مطھرۃ** ﴾ ''اور ان کے لئے اس میں پاک صاف بیویاں (حورعین) ملیں گی''۔ جن کے خوبصورت اوصاف قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بیان فرمائے گئے ہیں۔ جیسا کہ ﴿ **وعندھم قٰصرٰت الطرف عین** ۞ ﴾ (الصافات: ٤٨) ''اور ان کے پاس نیچی نظروں والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہونگی''۔ ﴿ **فیھن قصرٰت الطرف لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** ۞ ﴾ (الرحمٰن: ٥٦) ''وہاں شرمیلی، نیچی نگاہ والی حوریں ہیں، جنہیں ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا''۔ ﴿ **کأنھن الیاقوت والمرجان** ۞ ﴾ (الرحمن: ٥٨) ''یعنی صفائی میں یاقوت اور سفیدی وسرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی''۔

صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن وجمال کا بیان آیا ہے: (**یری مخ ساقھن من وراء العظم واللحم**) (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ما جاء فی صفة الجنة) ''ان کے حسن وجمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا گوشت اور ہڈی کے باہر سے نظر آئے گا''۔

اور دوسری روایت میں فرمایا کہ جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین وجمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے، تو آسمان وزمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے۔ اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الجهاد، باب الحور العین)

جب اللہ تعالی نے جنت کا خوبصورت منظر پیش فرمایا، تو ممکن تھا کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو۔ کیا یہ عظیم نعمتیں اہل جنت کے لئے ہمیشہ میسر رہیں گی یا نہیں؟ چنانچہ اللہ نے فرمایا ﴿ وهم فيها خلدون ۞ ﴾ ''اہل جنت ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے'' اور ان سے کبھی بھی ان نعمتوں کا انقطاع نہیں ہوگا۔ کیونکہ انقطاع لذت اور زوال نعمت دنیا کی خصوصیات میں سے ہیں۔ جبکہ جنت کی نعمتیں لامتناہی اور لازوال ہیں۔ (ابن عاشور)

قرآن وحدیث میں جنت کی نعمتوں کا ذکر بکثرت وارد ہوا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب بدء الخلق کے تحت ایک مستقل باب: (باب ما جاء فی صفة الجنة) کے نام پر اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ایک مستقل کتاب (الجنة وصفة نعيمها) کے نام پر ثبت کر کے، جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق صحیح حدیثوں کا ایک بڑا مجموعہ روایت کیا ہے۔ بلکہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے جنت کے متعلق قرآنی آیتوں اور احادیث نبویہ کو ایک مستقل تصنیف میں جمع کیا ہے۔ اس کتاب کا نام (حادی الأرواح إلى بلاد الأفراح) ہے۔ جو شخص ان نصوص کا مطالعہ کر کے اپنے ایمان کی تازگی اور حصول جنت کے شوق میں اضافہ کرنا چاہے، وہ مذکورہ مراجع کی طرف رجوع کرے۔ یہاں صرف ایک اجمالی جھلک ملاحظہ فرمائیں:

حدیث قدسی میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: {أعددت لعبادی الصالحين ما لا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر} (صحیح بخاری تفسیر الم السجدة) ''میں نے اپنے نیکوکار بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے ان کی بابت سنا، (دیکھنا اور سننا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا خیال وگمان بھی نہیں گزرا ہے''۔ ﴿ وفي ذلك فليتنافس المتنافسون ۞ ﴾

فائدہ 5 : آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے ''بشارت'' کے چاروں ارکان ذکر فرمائے ہیں:

۱۔ **المبشِر**: یعنی خوشخبری سنانے والا، اس سے مراد اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے قائم مقام دعاۃ اور علماء ہیں۔

۲۔ **المبشَر** : وہ لوگ جن کو خوشخبری دی گئی۔ ان سے مراد اہل ایمان ہیں جو نیک اعمال کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ **المبشَر به**: یعنی وہ چیز جس کی خوشخبری دی گئی، وہ جنت ہے۔

۴۔ السبب الموصل لهذه البشارة: یعنی وہ سبب جس کے ذریعے سے اس عظیم بشارت کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وہ ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' ہے۔ سب سے پہلی خوشخبری جو مؤمن کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے، وہ ایمان اور عمل کی توفیق ہے۔ پھر موت کے وقت اس کو جنت کی خوشخبری ملتی ہے۔ پھر اس کے بعد سے اس کو ابدالاباد کی نعمتیں حاصل

ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔(نسأل الله تعالى أن يجعلنا منهم)

اوراس آیت مبارکہ میں مؤمنوں کوخوشخبری سنانے کے استحباب کی دلیل بھی ہے۔(السعدی)

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اپنے صحابہ کرام ﷺ میں سے کسی کو خاص ڈیوٹی پر بھیجتے تو اسے خصوصی طور پر نصیحت کرتے ہوئے فرماتے:{ **بشروا ولا تنفروا ويسروا ولا تعسروا**}(صحيح مسلم كتاب الجهاد والسير ، باب الأمر بالتيسير وترك التنفير) ''لوگوں کواللہ کی رحمتوں کی خوشخبری سناؤ اوراپنے قول وعمل سے اسلام سے نفرت پیدا نہ ہونے دو،لوگوں پرآسانی پیدا کرواوران کومشکلات میں نہ ڈالو''۔

اللہ تعالی ہمیں اسلام کے زرین اصولوں کو سمجھنے اوران پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

❁❁❁❁❁

علم اور دولت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا علم بہتر چیز ہے یا دولت؟ آپ نے فرمایا:

علم دولت سے بہتر ہے،اس لئے کہ:

☆ دولت قارون اورفرعون کوملتی ہے اورعلم پیغمبروں کو ودیعت ہوتا ہے،

☆ دولت کی انسان کوحفاظت کرنا پڑتی ہے مگرعلم انسان کی حفاظت کرتا ہے،

☆ دولت والے آدمی کے دشمن بہت ہوتے ہیں مگرعلم والے آدمی کے دوست بہت ہوتے ہیں،

☆ دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے اورعلم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے،

☆ دولت والا بخیل اورعلم والا سخی ہوتا ہے۔

☆ دولت غرور سکھاتی ہے اورعلم انسان کوحلم (سنجیدگی) سکھاتا ہے۔

☆ دولت کی حد ہوتی ہے مگرعلم کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

عبدالستار نیازی طالب علم